© rasailojaraid.com

اسلام اور تعمیر شخصیت

غلام حسین اظہر

اسلام نے انسان کے مختلف جبلی تقاضوں اور طبعی میلانات و رجحانات کو بہت سے مکاتب فکر کی طرح باہم متناقض متخالف ، اور متصادم قرار نہیں دیا ۔ بلکہ انسانی شخصیت کے مختلف داعیات کو ایک دوسرے کا ممد و معاون تسلیم کیا ہے ۔ اس اہم حقیقت کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے ۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۔ ''احسن تقویم'' سے مراد انسانی صلاحیتوں اور داعیات کا خوشگوار ربط باہم ہے ، اور انسان کی ان صلاحیتوں کی نشاندھی ہے جن کو بروئے کار لاکر وہ بلند سے بلند مدارج تک رسائی حاصل کرسکتا ہے ۔ اسی وجہ سے اسلام نے تزکیہ نفس پر زور دیا ہے نہ کہ نفس کشی پر ۔ تزکیہ نفس کا مقصد بھی انسان کی بہتر صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے ۔ اور اس منزل تک پہنچنا ہے ، جسے قرآن نے تقویٰ کی اصطلاح سے موسوم کیا ہے ۔ تقویٰ کے لفظ پر اگر ہم غور کریں تو یہ تین مفاہیم سامنے آتے ہیں :

۱ ۔ جس چیز سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس سے محفوظ رہنا ۔

۲ ۔ کسی آفت سے ڈرنا ۔

۳ ۔ خدا کے حضور اظہار خشیت ۔

ان مفاہیم سے جو حقیقت واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی صلاحیت بھی موجود ہے ۔ اور ضرر رساں چیزوں سے بچنے کی قوت مدافعت بھی ۔ پہلی حقیقت کا تقاضا اقدام اور عمل ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دوسری کا اجتناب و احتراز ہے ۔ دور حاضر میں ایڈلر نے انسانی ارتقا کے بارے میں ڈارون اور فرائڈ دونوں سے اختلاف کرتے ہوئے غیر شعوری طور پر وہی بات کہی ہے ۔ جو تقویٰ کے مفاہیم میں شامل ہے ۔ ایڈلر کا تصور ارتقا ، یہ ہے کہ انسانی حیات کی بقا اور ترقی کا راز تنازع للبقا میں نہیں بلکہ توافق للبقا میں مضمر ہے ۔ اس میں دوسروں سے ہم آہنگی اور تعاون کا جو جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے ، اس جذبہ نے ہی اسے مسابقت کے بجائے تعاون پر ابھارا ۔ اور مستقبل میں بھی انسان کی بقا کا تمام تر انحصار اسی جذبہ پر ہے ۔ انسانی جبلتوں میں تعاون ، اتحاد ، ہم آہنگی اور موافقت کس درجہ کارفرما ہے ، اس موضوع پر مسلم مفکرین نے خصوصی توجہ دی ہے ۔ خصوصاً شاہ ولی اللہ نے حجة اللہ البالغہ میں اس نکتہ پر خصوصی بحث کی ہے اور بڑے دلنشین اور فکر انگیز انداز میں اس دقیق موضوع پر روشنی ڈالی ہے ۔ شاہ ولی اللہ نے بتایا ہے کہ بظاہر متخالف اور متصادم جبلتیں دراصل باہم مربوط اور ایک دوسرے کی ممد ہیں ، اور انسانی شخصیت کی تکمیل اور بنی نوع انسانی کے تحفظ کے لئے اشد ضروری ہیں ۔ شاہ ولی اللہ نے ہر ''ملکہ'' کے ساتھ متعلقہ دوسرے '' ملکہ '' کی نشاندھی کی ہے جو انسانی شخصیت میں توازن و اعتدال کو برقرار رکھتا ہے مثلاً :

''اور وہ ''ملکہ'' جس سے حرص و آز کے دواعی کی مدافعت کی جائے ، اسے قناعت کہا جاتا ہے ، اور وہ ملکہ جس سے عجلت و جلد بازی کے دواعی کی مدافعت کی جائے اسے ''تانی'' کہاجاتا ہے ، اور جس ''ملکہ'' سے غیظ و غضب کی مدافعت کی جائے اسکا نام ''حلم'' ہے ، اس ملکہ کا اصل مقام قلب ہے ، اور جس ''ملکہ سے منہ زوری ، یاوہ گوئی ، ہرزہ سرائی کے دواعی کی مدافعت کی جائے اسکا نام ''صمت'' ہے ، اور جس ملکہ سے (ظالمانہ) غلبہ ، ظہور ، اور دوسروں کو پستا اور زیر کرنے کے جذبات کی مدافعت کی جائے ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسکا نام ''خمول،، ہے ، اور جس ''ملکہ،، سے بیجا حب و بغض ، لاجائز محبت و عداوت کے دواعی کی مدافعت کی جائے اسکا نام ''استقامت،، ہے ۔

شاہ ولی اللہ کی اس توجیہ و توضیح سے پتہ چلتا ہے کہ نفس انسانی میں خود ضبطی ، ہم کاری اور ہم آہنگی کا جوہر ودیعت کیا گیا ہے اور یہی جوہر اسکو ''صراط مستقیم ،، پر گامزن رکھتا ہے ۔

اسلام نے انسانی شخصیت کا دوسرا اہم پہلو یہ قرار دیا ہے کہ انسان میں نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت بھی ودیعت کی ہے ۔ انسان بدی سے بےخبر نہیں ۔ انسانی شخصیت میں جہاں ''نفس امارہ،، موجود ہے ، جو اسے منہ زور جبلی تقاضوں کی بلاتمیز تسکین پر مجبور کرتا ہے، وہاں اس میں بدی پر ٹوکنے اور اس کو متنبہ کرنے کے لئے '' نفس لوامہ ،، بھی رکھا گیا ہے ، جو اسے بدی سے روکتا اور ٹوکتا ہے ۔ ان حقائق کی طرف قرآن حکیم نے ان آیات میں توجہ دلائی ہے ۔

۱ ۔ ونفس وما سواها فالهمها فجورها و تقواها قد افلح من زکها وقد خاب من دسها (الشمس)

قسم ہے جان کی اور اس کی جس نے اس کو درست بنایا ۔ پھر اس کو اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری کا القا کیا ۔ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کرلیا ۔ اور نامراد ہوا جس نے اس کو بگاڑ دیا ۔

۲ ۔ الذی خلق فسوی و الذی قدر فهدی (الاعلی)

جس نے بنایا پھر ٹھیک بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی ۔

۳ ۔ بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القی معاذیره ۔ (قیامه)

بلکہ انسان خود اپنی حالت پر مطلع ہے اگرچہ وہ کتنی حیلے بہانے تراشتا ہے ۔

'' نفس لوامہ ،، کو انسان کتنا ہی حیلوں اور بہالوں سے دبانے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کرے اسے بالکل معدوم نہیں کرسکتا۔ ''نفس لوامہ،، کی روشنی مسلسل ارتکاب گناہ سے ماند ضرور پڑجاتی ہے لیکن بالکل بجھ نہیں جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ گار سے گناہ گار انسان بھی زندگی کے کسی لمحے میں ذرا سی بات سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اس کی کایا پلٹ جاتی ہے، اور اس کی زندگی کا ایک بالکل نیا باب شروع ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے گناہ کے اثرات کو اسٹ قرار نہیں دیا، بلکہ توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ توبہ ''نفس امارہ،، کو بیدار رکھتی ہے اور اس کے ساتھ اس خلش سے جو گناہ سے پیدا ہوتی ہے نجات دلا کر روح کی بالیدگی اور آسودگی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ ''توبہ،، کی اسی اہمیت کے باعث قرآن حکیم کا ارشاد ہے :

ومن یعمل سوٓ اویظلم نفسه ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما۔ (النسا ۱۱۰)۔

اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا نقصان کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا۔

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا (الزمر - ۵۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ یقینا اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیگا۔

قرآن حکیم نے استغفار پر جو زور دیا ہے وہ بھی نفسیاتی اعتبار سے بڑا معنی خیز ہے۔ ''توبہ،، تو گناہ کے اثرات کو مٹاتی ہے لیکن استغفار کے معنی قول اور عمل سے کسی فساد انگیز بات کی اصلاح کی خواہش کرنا اور حفاظت چاہنا ہے۔ غفر کے معنی پر بحث کرتے ہوئے صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے لکھا ہے کہ اس کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینا ہے جس سے وہ غلاظت سے محفوظ رہے ۔ استغفار کی حیثیت غذا کی ہے اور توبہ کی دوا کی ہے، جو بیماری کو دور کرتی ہے ۔ لیکن استغفار انسان کو بیماری سے محفوظ رکھتا ہے ۔ برائی کے لئے قرآن حکیم نے ''اثم،، کا جو لفظ استعمال کیا ہے ۔ وہ بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے قابل غور ہے ۔ اثم کے معنی انسانی صلاحیتوں کا ماند پڑ جانا ہے جس کے باعث انسان کی صلاحیتیں پوری طرح نشو و نما نہیں پاتیں اور نفسیاتی ارتقا رک جاتا ہے ۔ گناہ کے اثرات سے بچانے کے لئے اللہ تعالی نے ''توبہ،، اور استغفار کی تلقین کی ہے ۔ ''نفس لوامہ،، کی وضاحت کرتے ہوئے حضورص نے فرمایا :۔

البر طمانیة والشر ریبة نیکوکاری اطمینان قلب کانام ہے اور برائی شک و تذبذب کا ۔

البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی صدرک

نیکوکاری حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو انسان کے دل میں کھٹکے ۔ ''نفس لوامہ،، کی صلاحیت کو کند ہونے سے بچانے پر اسلام نے خصوصی توجہ دی ہے ۔ لیکن اسلام کا اصل مقصود '' نفس امارہ ،، اور ''نفس لوامہ،، کی کشمکش سے نکال کر نفس مطمئنہ کی روح پرور کیفیات سے ہم کنار کرنا ہے ۔ اس مقصد کے لئے اسلام نے عبادات کا نظام رکھا ہے، جو انسان میں نفس امارہ پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں ۔ اور انسان کو نفس مطمئنہ کی خوشگواریوں سے ہم کنار کرتی ہیں ۔ عبد عربی میں اس خوشبودار پودے کو کہتے ہیں جو اونٹوں کے لئے پر کشش ہوتا ہے ۔ اس کے کھانے سے اونٹ فربہ ہوجاتے ہیں، اور ان کا دودھ بھی زیادہ ہوجاتا ہے ۔ عبادت کے مفہوم میں یہ تینوں باتیں شامل ہیں ۔ عبادت ہمیں خدا کے قریب لے جاتی ہے، انسانی روح میں ذات خداوندی کی طرف جھکنے کا جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میلان ہے وہ بھی پورا ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ انسانی شخصیت میں جو صلاحیتیں ''بالقوہ،، موجود ہیں، ان میں اضافہ ہوتا ہے ۔ اور وہ ''بالفعل،، بروئے کار آجاتی ہیں ۔ عبادت کا بنیادی مقصد انسان کو جکڑ بندیوں میں مبتلا کرنا نہیں بلکہ اس کا اصل مدعا نفس انسانی کی وسعت اور کشود ہے ۔ اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا ۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب و لکن البر من آمن باللہ والیوم الاخر و الملئکة و الکتب و النبین ج و اتی المال علی حبه ذوی القربی و الیتمیٰ و المساکین و ابن السبیل و السائلین و فی الرقاب و اقام الصلوة واتی الزکوة و الموفون بعھدھم اذا عاھدوا ج ۔ (سورۂ بقرہ ۔ ۱۷۷) ۔

عبادت، ذکر و فکر، شکر اور صبر و توکل کا اصل مدعا انسانی صلاحیتوں کو یکجا اور مجتمع کرنا، اور انہیں منتشر ہونے سے بچانا ہے ۔ فسق و فجور سے قرآن نے بچنے کی تلقین اس لئے کی ہے کہ اس سے انسانی شخصیت ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جاتی ہے ۔ فجور کے معنی ھی پھاڑ دینے کے ہیں ۔ لہذا انسانی ذات کا فجور اس کا منتشر ہوجانا یعنی Dis-Integrate ہوجا نا ہے ۔ اور فسق کے معنی حدود کو پھاندنا اور رسہ توڑ کر بھاگ نکلنا ہے ۔ نفسیاتی اعتبار سے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ فسق میں وہ امور شامل ہیں جو نفس امارہ کو طاقتور بنا دیتے ہیں ۔ اور اس پر نفس لوامہ کی گرفت کو بتدریج ڈھیلا کرتے چلے جاتے ہیں، حتی کہ وہ بالکل بے قابو اور منہ زور ہو جاتا ہے، اور اسے راہ راست پر لانا محال ہوجاتا ہے ۔ اس حقیقت کی توضیح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ بدی کی رغبت پیدا ہوجاتی ہے ۔ لیکن جب وہ توبہ کرتا ہے ۔ تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے ۔ لیکن بار بار گناہ کرنے سے اس کا دل پوری طرح تاریک ہوجاتا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن نے اسی حقیقت کے اظہار کے لئے ''طبع''، ''اقفال'' اور ''رین'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

انسان کی فطرت میں نیکی کی طرف میلان، نیکی اور بدی میں تمیز کی صلاحیت، احساس گناہ اور اس کے اثرات کے بارے میں قرآن نے جو حقائق پیش کئے ہیں، ان کی جھلک ہمیں ان ماہرین نفسیات کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے، جنھوں نے ڈارون اور فرائڈ کا تتبع نہیں کیا، اور تقلید کی روش کو چھوڑ کر خود صحیح نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ ان ماہرین میں سے کیرن ہارنی اور ایرخ فروم کے نظریات بڑی حد تک صداقت کی حدود کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً کیرن ہارنی نے لکھا ہے۔

''میرا یہ عقیدہ ہے کہ آدمی میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی استعداد اور خواہش بھی ہے اور ایک اچھا انسان بننے کی تمنا بھی۔ لیکن اگر دوسروں اور اپنی ذات کے ساتھ تعلقات میں رخنہ پڑجائے تو یہ استعداد اور خواہش زوال پذیر ہوجاتی ہے۔ میرا یہ اعتقاد ہے کہ انسان بدل سکتا ہے، وہ ساری زندگی بدلتا رہتا ہے، اور یہ اعتقاد عمیق ژرف بینی سے پیدا ہوا ہے۔''[۳]

کیرن ہارنی کے اس تصور پر غور کیا جائے تو اس نے غیر شعوری طور پر انسان کے ''احسن تقویم'' ہونے کو تسلیم کرلیا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف ایرخ فروم نے بھی کیا ہے مثلاً

''انسان صاف کورے کاغذ کا ورق نہیں جس پر سماج اپنی عبارت لکھ سکے۔ بلکہ وہ ایک ایسی اکائی ہے جس کو چند مخصوص قوتیں ودیعت کی گئی ہیں اور اسے ایک خاص سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ وہ سماج سے مطابقت بھی پیدا کرتا ہے۔ اور ردعمل کا اظہار بھی کرتا ہے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کے اندر حقیقت کو تلاش کرنے کی جو جستجو موجود ہے اس کو بھی حقیقت پسند ماہرین نفسیات تسلیم کرنے پر مجبور ہیں مثلاً Maurice Marlean Ponty نے لکھا ہے Man is Condemend to Meaning بلکہ اس سے بڑھ کر ایرخ فروم نے اس حقیقت کا بھی برملا اعتراف کیا ہے کہ اخلاقی بے راہروی ہی نیوراسس (Neurosis) کا اصل محرک ہے۔

''نیو راسس،، آخری تجزیہ میں بذات خود اخلاقی ناکامی کی ایک علامت نظر آتا ہے، تاہم مطابقت اخلاقی جیت کی ایک علامت ہے،، ۳

ان ماہرین کی نگاہ چند حقائق تک ضرور پہنچی ہے لیکن یہ کلی حقیقت کا ادراک حاصل نہیں کرسکے۔ ان کے سامنے وہ لائحۂ حیات نہیں جس پر عمل پیرا ہوکر انسان نفس مطمئنہ کی منزل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اس منزل کو پالینے کے لئے قرآن حکیم نے انبیاءؑ کی تعلیمات، اور دین فطرت کو اپنانے کی تاکید کی ہے۔ اور ایمان باللہ کو لازم ٹھرایا ہے۔ توحید پرستی کی شرط لگائی ہے۔ ماہرین نفسیات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب تک انسانی صلاحیتیں مجتمع نہ ہوں اور انسانی شخصیت وحدت میں نہ ڈھلے انسان کی شخصیت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ اس وجہ سے انہوں نے یک جہتی اور یک رنگی کو شخصیت کا اصل جوہر تسلیم کیا ہے۔ لیکن وہ اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکے کہ انسانی شخصیت کے وحدت میں ڈھلنے کے لئے توحید پرست ہونا ضروری ہے۔ شرک انسانی شخصیت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیتا ہے۔ اور انسانی شخصیت کے جوہر بکھری ہوئی صورت میں بے معنی ہوکر رہ جاتے ہیں۔ لیکن توحید انہیں ایک وحدت میں پرو دیتی ہے، اسی وجہ سے اسلام نے اہل ایمان سے شخصیت کو وحدت میں ڈھالنے کا تقاضا کیا ہے۔

ادخلوا فی السلم کافۃ۔

اس کی توضیح ایک اور مقام پر قرآن حکیم نے بڑے دلکش انداز میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہے، شخصیت کی وحدت اور توحید کے اثرات دونوں کو سمو دیا ہے۔

قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین (الانعام)

آپ کہہ دیجئے یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا میرا مرنا سب اللہ ھی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔

اس آیت میں عبادات کا محور و مرکز بھی بتایا گیا ہے۔ اور ان کا وہ اثر بھی جو انسانی شخصیت کو یک رنگی عطا کرتا ہے۔ اس یک رنگی کو ھی قرآن نے ''صبغۃ اللہ'' کہا ہے۔ انسانی شخصیت جب تک ٹکڑوں میں بٹی رہے، وہ بے برگ و بار رھتی ہے۔ انسانی مساعی نتیجہ خیز ثابت نہیں ھوتیں۔

اس اھم حقیقت کو بیان کرنے کے لئے قرآن حکیم نے ''دین قیم'' کو ''دین فطرت'' کی اصطلاح سے بھی موسوم کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفا ط فطرت اللہ التی فطرالناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم (الروم - ۳۰) پس (اے نبی اور نبی کے پیروو) یک سو ھوکر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جمادو، قائم ھوجاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ھوئی ساخت نہیں بدلی جاسکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔

قرآن کا یہ دعوی ہے کہ دین اور فطرت دو متضاد چیزیں نہیں ھیں بلکہ دین انسان کی اس انفرادی اور اجتماعی فطرت کا عین تقاضا ہے جس پر اللہ تعالی نے نوع انسان کو پیدا کیا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے دین فطرت کی قبولیت کو اعمال کے نتیجہ خیز اور بارآور ھونے کے لئے شرط اولین ٹھرایا ہے۔ وہ اعمال جو اس کے سانچے میں نہ ڈھلیں وہ انسان کی داخلی اور خارجی زندگی میں وہ توافق پیدا نہیں کر سکتے جو انسان کو نفس مطمئنہ کی لطیف پاکیزہ اور ارفع کیفیات سے ھم کنار کرتا ہے اور ''حزن و خوف'' سے نجات دلاتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے کفر کا نتیجہ یہ قرار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و الذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً حتی اذا جاءہ
م یجدہ شیئا (سورۃ نور ۳۹)

اور وہ لوگ جو منکر ھیں ۔ ان کے اعمال ایسے ھیں ۔ جیسے صحرا میں
ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے قریب پہونچتا
ہے تو کچھ نہیں پاتا ۔

اس حقیقت کو قرآن حکیم نے بار بار پیش کیا ہے ۔ اس کے مقابلے
میں دین فطرت کو اپنا نے سے قرآن کی رو سے اعمال کو ایک جہت مل جاتی
ہے اور انسانی اعمال نتیجہ خیز ثابت ہوتے ھیں ۔ اور زندگی انسان کے لئے
سراپا خیر بن جاتی ہے ۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے ۔

ان سعیکم لشتی ۔ فاما من اعطی و اتقی ۔ و صدق بالحسنی ۔ ۔
فسنیسرہ للیسری ۔ واما من بخل و استغنی ۔ وکذب بالحسنی ۔ فسنیسرہ للعسری ۔
(اللیل) ۔

درحقیقت تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ھیں تو جس نے (راہ
خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرھیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا،
اس کو ھم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے اور جس نے بخل کیا اور
(اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا اس کو ھم سخت راستے
کے لئے سہولت دیں گے ۔

مذکورہ آیات میں بھی جس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ
یہی ہے کہ انسانی مساعی کا جب تک کوئی محور اور مدعا نہ ھو وہ بے معنی
اور رائیگاں ھوتی ھیں ۔ جدید ماھرین نفسیات نے Finality اور Style of Life
کے اسلوب کے بارے میں جو بحثیں کی ھیں ۔ ان میں بھی سب سے
اھم سوال یہ ہے کہ وہ نصب العین کیا ھو جس کے لئے سعی کی جائے، اور
وہ قوت محرکہ کیا ھو جو انسان کے ذوق و شوق کے لئے مہمیز کا کام دے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہر کام پر اسے تقویت بخشنے اور دل آسائی کا سامان پیدا کرنے؟ انسانی شخصیت کی مساعی کو جہت بخشنے اور انہیں بارآور بنانے، اور انسانی کردار کی مضبوطی کے لئے کن امور کا اہتمام ضروری ہے ۔

اسلام کے نظریہ شخصیت کی ایک اور اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں نصب العین اور نصب العین تک رسائی کا اہتمام موجود ہے ۔ اسلام نے انسانی شخصیت کی تگ ودو اور مساعی کا محور رضائے الٰہی کو قرار دیا ہے ۔ اور رضائے الٰہی کی خاطر انسان کو اپنی جان، مال اور ہر چیز کو تج دینے کا درس دیا ہے ۔ انسان میں اپنی شخصیت کو کسی کے حوالے کرنے کی جو زبردست آرزو اور تڑپ موجود ہے اس کی تسکین اس ذوق و شوق سے ہوتی ہے، جو رضائے الٰہی اور قرب الٰہی کے حصول کے جذبہ سے پیدا ہوتا ہے ۔ اور یہ ذوق و شوق اعماق نفس سے پیدا ہوتا ہے ۔ کیونکہ قرآنی فکر کے مطابق انسانی نفس کی اتھاہ گہرائیوں میں ذات خداوندی کی محبت موجود ہے ۔ اسی حقیقت کو قرآن نے یوں پیش کیا ہے: الست بربکم قالوا بلی

یہ آواز انسان کے نفس کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھتی ہے، اسی وجہ سے قرآن نے یہ اعلان کیا ہے ۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

توحید اور تعلق باللہ انسانی شخصیت کو مرکزیت عطا کرکے اس میں نکھار پیدا کرتا ہے، اور اس کے سامنے یہ نصب العین رکھتا ہے ۔

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ ۔ (توبہ-۱۱۱)

اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اس معاوضہ میں کہ ان کے لئے جنت ہے ۔

یہ بلند مقصد انسانی شخصیت کو استحکام بخشتا ہے ۔ فرائڈ نے Sublimation ارتفاع اور تبدل کے لئے اصول حقیقت کو پیش کیا ہے لیکن اصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت اور حصول مسرت انسانی شخصیت میں وہ انقلاب پیدا نہیں کرسکتے جو مطلوب ہے۔ اس کے لئے کسی اعلی نصب العین کی ضرورت ہے۔ وہ نصب العین واضح طور پر صرف اسلام نے پیش کیا ہے۔ ایمان باللہ انسان کو پستی اور ذلت سے اٹھا کر خودداری اور عزت نفس کے بلند مدارج تک پہنچا دیتا ہے۔ اس سے انسان تمام دنیا کی قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف ہوجاتا ہے ، اور اس کی گردن خدا کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتی۔ اور خدا کو چھوڑ کر وہ کسی سے امیدیں وابستہ نہیں کرتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں جھوٹی خودداری اور تکبر بھی پیدا نہیں ہوتا جو برخود غلط انسان میں نظر آتا ہے۔ ایمان باللہ انسان میں لازوال رجائیت پیدا کرتا ہے جو کسی حال میں مایوسی اور شکستہ دلی سے مغلوب نہیں ہوتی۔ ایمان باللہ امیدوں کا ایک ایسا لا زوال خزانہ ہے جس سے قوت قلب و تسکین روح کی دائمی اور غیر منقطع رسد پہنچتی رہتی ہے۔ اس ایمان کے بل پر کہ

و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (البقرہ ۱۸۶)

یہ یقین دعا کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور دعا ایک ایسا ذریعہ ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ قائم کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے خوف اور حزن کو دور کر دیتا ہے۔ اور انسان کو صبر و استقامت اور توکل علی اللہ کے مدارج پر پہنچا دیتا ہے۔ تلواروں اور نیزوں کی چھاؤں میں یہ دل کو ڈولنے نہیں دیتا۔ اور انسانی شخصیت کی وحدت اور یک جہتی ہر صورت میں اور ہر وقت موجود رہتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے یاد الہی کو تزکیہ نفس کا صحیح ذریعہ قرار دیا ہے۔

انسانی شخصیت کے بارے میں اسلام اور جدید نفسیات کے درمیان اہم فرق یہ ہے کہ اسلام نے انسان اور حیوان کے درمیان صرف دوٹانگوں کا فرق ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ انسان اور حیوان کے میلانات و رجحانات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاہلیت کی دنیا کو بھی یکسر مختلف قرار دیتا ہے ۔ اسلام نے اس اہم حقیقت سے انکار نہیں کیا کہ انسان کو جسمانی اور جبلی تقاضوں کی تسکین پر توجہ دینی چاہیئے ۔ حضور ص نے اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ''تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے،، ۔ اسی وجہ سے اسلام نے جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کو تزکیہ نفس کا اہم ذریعہ ٹھرایا ہے ۔ بھوک شہوت اور دیگر جبلی احتیاجات کو اسلام نے پوری پوری اہمیت دی ہے ۔ اور رہبانیت اور تجرد کی راہ کو مہلک گردانا ہے ۔ نفس کشی کو اسلام نے انسانی شخصیت کے لئے زہر ہلاہل تسلیم کیا ہے ۔ اسلام کے نزدیک روح اور جسم دونوں کے تقاضوں کا خیال رکھنا چاہئے ۔ لہذا اسلام نے مطالبات نفس کی تسکین کے ساتھ ساتھ ضبط نفس کو بھی ایک اہم حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے ۔ اگر ضبط نفس اور احتساب نفس کو سامنے نہ رکھا جائے اور صرف جبلی تقاضوں کی تسکین کے پیچھے ہی انسان لگا رہے تو پھر نفس کے مطالبات لا محدود ہوجاتے ہیں اور ان کی تشنگی کسی طور دور نہیں ہوتی ۔ اس لئے اسلام نے ضبط نفس کو تزکیہ نفس کے لئے لازمی جوہر ٹھہرایا ہے ۔ کیوں کہ اگر انسان صرف جسم کی دنیا تک اپنی مساعی کو محدود کردے تو اس کی ذات میں خود ضبطی کا جوہر ختم ہوجاتا ہے ۔ اور اس کی تمام تر توجہ اپنی ذات تک محدود ہوجاتی ہے ۔ اور آخر کار اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے ۔

واتبع هواه فمثله كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث او تتركه يلهث ذلك مثل القوم الذين كذبوا بآياتنا ۔ (الاعراف : ۱۷۶)

''اور وہ اپنی خواهشات نفس هی کے پیچھے پڑا رہا ۔ لہذا اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ تم اس پر سختی کرو تب بھی وہ زبان لٹکائے رہے ۔ اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ۔،،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب انسان ایمان اور اعلیٰ انسانی اقدار کو ترک کرکے اندھی خواہشات کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے دیتا ہے تو پھر وہ ہمہ تن پیٹ اور ہمہ تن جنس ہو جاتا ہے ۔ اس کی نظروں سے زندگی کے باقی تقاضے بالکل اوجھل ہو جاتے ہیں ۔ اور وہ ان تقاضوں کی تکمیل سے بھی آسودگی حاصل نہیں کر سکتا ۔ فرائڈ نے جنسی داعیہ کی تسکین پر بہت زور دیا ہے لیکن تجربات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ لوگ جو جنس کی لذت میں ہی کھو کر رہ جاتے ہیں ان کا دامن بھی حقیقی مسرت سے تہی رہتا ہے ۔ ایرخ فروم نے لکھا ہے ۔

" فرائڈ کی دانست میں تمام جبلی خواہشوں کی مکمل اور بلا مزاحمت تسکین ذہنی صحت اور مسرت پیدا کرتی ہے ۔ لیکن بالکل واضح کلینکل حقائق یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مرد اور عورتیں جو اپنی زندگیاں غیر مزاحم جنسی تسکین کی خاطر وقف کردیتے ہیں مسرت سے ہم کنار نہیں ہوتے ۔ اور اکثر وہ بڑے سخت نیوراتی تصادمات یا علامات میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ مکمل طور پر تمام جبلی داعیات کی تسکین نہ صرف یہ کہ مسرت کی بنیاد نہیں ہے بلکہ یہ صحت مندی کی ضامن بھی نہیں " ۔

نفس پرستی اور نفس پروری سے اسلام نے اسی وجہ سے روکا ہے کہ اگر آدمی اپنی شخصیت کی باگ ڈور کلی طور پر نفس کے ہاتھ میں دے دے اور ضبط نفس کی صلاحیتوں کو اجاگر نہ ہونے دے تو پھر وہ زندگی بھر بھٹکتا رہتا ہے ۔ دور حاضر میں ماہرین نفسیات کی نظروں سے جو چیز اوجھل ہے وہ یہ کہ انہوں نے اس حقیقت کو نہیں جانا کہ انسان محض اس حیوانی (Biological) وجود کا نام نہیں ہے جو بھوک، شہوت، حرص اور غضب وغیرہ جیسے داعیات کا محل ہے ، بلکہ دراصل وہ ایک روحانی وجود ہے، اسے حیوانات کی طرح محض جبلت کا غلام نہیں بنایا گیا، بلکہ اسے عقل، تمیز، اکتساب علم اور فیصلہ کی قوتیں دے کر ایک حد تک خود اختیاری بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی گئی ہے ۔ قرآن نے اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کہا ہے

ثم سواہ و نفخ فیہ من روحہ (السجدہ)

انسان میں روحانیت کا جوہر رکھ کر ہی اس نے یہ تقاضا کیا گیا ہے تخلقوا باخلاق اللہ ۔

انسان اپنی قوت فیصلہ کو بروئے کار لا کر باہر کے حیوان کو اندرونی انسان کا غلام بنا سکتا ہے ۔ انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بہیمی قوتوں کو ملکوتی قوتوں کا غلام بنائے ۔ بہیمی قوتیں ہی دراصل وہ شیطان ہیں جن سے بچنے کی قرآن نے تلقین کی ہے ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے شیطان کو اپنا مطیع بنا لیا ہے ۔ ڈارون ہربرٹ اسپنسر اور اسلام کے نظریہ شخصیت میں امتیازی فرق یہ ہے کہ ڈارون اور ہربرٹ اسپنسر بنیادی طور پر انسان کو حیوان ہی مانتے ہیں ، اور حیوان کو بالجبر انسان بنانے کے قائل ہیں ۔ انہیں فرد اور سماج اور انسانی ذات ہر جگہ دست و گریباں نظر آتی ہے ۔ اور انہیں تنازع للبقا اور جنگ وجدل عین فطری نظر آتے ہیں ۔ لیکن اسلام نے حیوان کو انسان کے اپنے اصل مرتبہ سے گرجانے کے بعد کا درجہ قرار دیا ہے ۔ فطرت انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان انسان کے مقام پر فائز رہے ، لیکن کفر اور انسانی تقاضوں سے روگردانی انسان کو حیوان بنا دیتی ہے ۔ ثم رددنہ اسفل سافلین میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے ۔ اور اسی حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں دھرایا ہے اولئک کالانعام بل ھم اضل سبیلا ۔ یعنی وہ انسان جو روح کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر صرف جسم تک اپنی توجہ محدود کرلیتا ہے ، وہ نرا حیوان بن جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ۔ اسی وجہ سے اسلام نے کفر کا نتیجہ یہ دکھایا ہے کہ انسان کو بندر بنا دیا گیا ، یا کوئی اور جانور ۔ لیکن انسان کی فطرت کا تقاضا روحانی اقدار کی علم برداری ہے ۔ اسی وجہ سے قرآن نے یہ کہا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودة و رحمة ۔ الروم ۔ ۲۱)

"اللہ تعالی نے خود تم ھی میں سے تمہارے لئے جوڑے بنائے ھیں تاکہ ان کے پاس سکون حاصل کرو ۔ اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت رکھدی ھے،، ۔ اور محبت و رحمت کو فلسفہ ازدواج کی اصل ٹھہرا کر اسلام نے اس حیوانی فلسفہ ازدواج کی جڑ کاٹ دی جس میں صنفی تعلقات کو محض جسمانی اتصال اور بقائے نسل کا ذریعہ ھی خیال کیا جاتا ھے ۔ اسلام نے عورت اور مرد کے صنفی تعلق کو محض ایک حیاتیاتی تقاضا ھی خیال نہیں کیا بلکہ اسے ایک روحانی مطالبہ بھی قرار دیا ھے۔ اسلام نے دیگر امور میں جسم اور روح کی دوئی کو بھی باطل قرار دیا ھے ۔ اسلام کے نزدیک جسم اور روح دونوں ایک ھی چیز ھیں اور ایک دوسرے کے لئے ممد و معاون ۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا کہ ایک طرف انسان میں بلند پرواز نیک ارادے اور جذبات ھیں تو دوسری طرف پاؤں میں ضروریات کی زنجیریں بھی ھیں ۔ ان دو اھم حقائق کی وجہ سے اسلام نے انفرادی تزکیہ نفس کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ اجتماعی اصلاح کو اصل ذریعہ نجات قرار دیا ھے ۔ اور اجتماعی اثرات کو اتنا ھمہ گیر تسلیم کیا ھے کہ اجتماعی فساد صالح افراد کو بھی اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لیتا ھے ۔ ان ھمہ گیر اجتماعی اثرات کی وجہ سے اسلام نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بدلنا اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا لازم کیا ھے ۔ اس مقصد کی خاطر اسلام نے گھریلو زندگی سے لےکر بین الاقوامی مسائل تک کے رخ کو بدلنے کی دعوت دی ھے اور الہی سوسائٹی کے قیام کو لازمی ٹھہرایا ھے، جو اخوت و مساوات کی بنیادوں پر استوار ھو۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے اسلام نے گھریلو فضا کو فردوس بداماں بنانے کی تلقین کی ھے، صنفی تعلقات کی بنیاد رحمت و مودت کو قرار دیا ھے، اس کے بعد وہ تدابیر اختیار کی ھیں جو فرد کو گھریلو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی میں مہر و محبت میں ڈوبی ہوئی فضا مہیا کریں ۔ بچوں سے پیار اور محبت کو اسلام نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا ہے ۔

”جس شخص کا بچہ رویا، اور اس نے پیار سے بہلا کر اسے چپ کرایا اللہ‌تعالی اس کے ثواب میں اسے جنت عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ خوش ہوجائے ۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے :

”جب تم میں سے کوئی سفر سے لوٹے تو اسے چاہیئے کہ اپنے بچوں کے لئے کچھ تحفہ اور ہدیہ ضرور لائے، اگرچہ وہ ایک پتھر ہی کیوں نہ ہو ۔“

حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ”اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ تم اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو، اور سب کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرو یہاں تک کہ اگر ایک کو بوسہ دو تو دوسرے کو بھی دو“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے ان سوتوں کو بند کردیا ہے جو ایڈلر کی اصطلاح میں Neglected Child اور Demoralised Child اور Pampered Child پیدا کرتے ہیں ۔ اور یہ بچے بچپن کی محرومیوں اور ناآسودگیوں کی وجہ سے جوان ہوکر پوری سوسائٹی کو انتقام کا نشانہ بناتے ہیں ۔ بچوں کے مہر و محبت کے فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اسلام نے ماں کی محبت کو ارفع قرار دیا ہے ۔ اور اس کی محبت کا نعم‌البدل تلاش کرنے کو حماقت ۔ اس اہم نفسیاتی حقیقت کے پیش نظر اسلام نے کوشش کی ہے کہ عورت کا زیادہ سے زیادہ وقت گھریلو فضا میں بسر ہو ۔ اور بچے شفقت مادری سے پوری طرح لطف اندوز ہوں اور ان کی شخصیت مہر و محبت کا پیکر بن کر نکلے ۔ اور اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے مغرب میں آج ہر فرد کی حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ک ایسے بے نور جزیرے کی ہے جو دوسروں سے بالکل منقطع ہو۔ اور اس ہذیبی المیہ پر مغرب کے گلی کوچے نوحہ کناں ہیں اور مغرب کے مفکرین یاد بلب ہیں۔ دو مفکرین کی اس ضمن میں رائے ملاحظہ کیجئے۔ مثلاً روفیسر ساروکن نے لکھا ہے ''انسان محض حیاتیاتی وجود نہیں رکھتا، جس ا اپنا کوئی رجحان نہ ہو، بلکہ وہ بہت سے میلانات رکھتا ہے۔ اس لئے کوئی ریعہ ایسا ضرور ہونا چاہئے جو ان میلانات کو صحیح نشوونما دے سکے۔ پہلے اس فرض کو خاندان سرانجام دیتا تھا اور بچوں کو اجتماعی زندگی کے لئے کارآمد بناتا تھا۔ مگر آجکل خاندان اس فرض کی بجا آوری میں غفلت برت رہا ہے۔ اس کوتاہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایسا خاندان جس میں خاوند اور بیوی کے تعلقات کسی مضبوط بنیاد پر استوار نہ ہوں وہاں بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہوسکتی جس کی وجہ سے بچوں میں اچھی صفات پیدا ہونے کے بجائے بہت سی اخلاقی کمزوریاں ابھر آتی ہیں۔ ایسے خاندانوں میں پرورش پانے والے بچے بالعموم کم‌ظرف، تھڑدلے اور منافق ہوتے ہیں۔ اگر تعلیمی ادارے تربیت کی اس کمی کو پورا کرسکتے تو پھر بھی کچھ بات تھی، مگر وہ ایسا نہیں کرسکے۔ ایک ان پڑھ ماں جس میں شفقت اور ذہانت موجود ہو وہ ان اسکولوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کے مقابلہ میں بہتر معلمہ ثابت ہو سکتی ہے۔''

ایڈلر نے تو اس حقیقت پر اس حد تک زور دیا ہے کہ وہ سوسائٹی کی بقا اور ترقی کو ہی مامتا سے وابستہ گردانتا ہے۔ اس نے لکھا ہے۔

The whole of human society is bound up with the attitude of women to motherhood ۹

گھریلو زندگی کو مسرت بداماں بنانے کے علاوہ اسلام نے ایسی سوسائٹی قائم کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے، جس میں محبت کی فراوانی اور اخوت کی جہانگیری ہو۔ اور جس میں دلاسائی دلنوازی اور ایثار کا یہ عالم ہو :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ویوثرون علی انفسهم لوکان بهم خصاصۃ (حشر) اور اپنے آپ پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔

اور ان کے گہرے تعلق کو حضور ص نے ایک دلنشین مثال سے واضح کیا ہے۔

تری المومنین فی تراحمهم و توادهم و تعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعیٰ له سائر الجسد بالسهر و الحمیٰ۔

”تم مومنوں کو باہم رحمدلی، الفت، لگاؤ اور تکلیف کے احساس میں ایسا پاؤگے جیسے ایک جسم کہ اگر ایک عضو بیمار پڑجائے، تو سارا جسم بخار اور شب بیداری کے ذریعہ شرکت کرتا ہے۔

حضور ص نے ان ایجابی اقدار کو اجاگر کرنے کے علاوہ ان خرابیوں کی بھی نشان دھی کی ہے جو انسانی تعلقات میں رخنہ پیدا کرتی ہیں اور جن سے دلوں میں دوری پیدا ہوتی ہے، اور رقابت بعض اوقات عداوت کی حدود کو چھولیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جامع انداز میں ان خامیوں کی یوں نشاندھی فرمائی ہے۔

ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا تنافسوا و کونوا عباد اللہ اخوانا ۔ ” کسی کے عیب کی ٹوہ میں نہ لگو، کسی کا تجسس نہ کرو، کسی کے تجارتی معاملہ کو نہ بگاڑو، آپس میں حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، آپس میں تعلقات کو نہ بگاڑو، حرص و ہوس میں سبقت نہ کرو اور خدا کے بندے اور بھائی بن کر رہو۔“ یہی احساس ایسی سوسائٹی کو وجود میں لاتا ہے، جس میں دل کو ”آبگینہ“ کا درجہ دیا جاتا ہے، اور قدم قدم پر اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ کہیں ذرا سی ٹھیس آبگینۂ دل کو چور چور نہ کردے۔ اور ”دل بدست آوردن“ کو ”حج اکبر“ پر ترجیح دی جاتی ہے، دلنوازی، دلاسائی، اور غم گساری کی فضا میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی شخصیت نکھر کر کندن بن جاتی ہے۔ اس میں بے نفسی ایثار، دلجوئی کے جو جوہر پوشیدہ ہیں، وہ اس وقت تک کھل کر سامنے نہیں آتے، جب تک عدل سے بڑھ کر سوسائٹی احسان کی منزل کو نہ پہنچ جائے جہاں تعلقات میں وہ لطافت خوشگواری اور شیرینی موجود ہو، کہ بھائی بھائی کی خاطر جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ لیکن جب سوسائٹی توافق للبقا کے بجائے تنازع للبقا کی بنیادوں پر استوار ہو، تو انسان کے یہ جوہر دب جاتے ہیں، اور ان کی جگہ خود غرضی، نفسانفسی، خودپروری، اور خود بینی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور احساس تنہائی جنم لیتا ہے، جو ہر فرد کو دوسرے سے دور کردیتا ہے۔ اور ہنستے بستے شہر ویران نظر آتے ہیں۔ چہروں پر شادابی ہوتی ہے، اور دلوں میں ویرانی، لبوں پر ہنسی ہوتی ہے لیکن سانسوں میں الاؤ جل رہے ہوتے ہیں۔ اور قرآن کے الفاظ میں اس سوسائٹی کی حالت یہ ہوتی ہے۔

تحسبهم جميعا و قلوبهم شتى

کیرن ہارنی اور ایرخ فروم نے عصر حاضر کے انسان کی جو حالت بیان ، ہے اس کی وجہ ان کے ہاں کی وہ سوسائٹی ہے جس میں تنازع للبقا کے ظریے نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور خرد و حکمت، ہوس کے پنجۂ خونیں میں دم توڑ چکے ہیں۔ کیرن ہارنی نے The Neurotic Personality of our Tim میں آج کے انسان کا سب سے اہم احساس "احساس تشویش،، قرار دیا ہے اور اس تشویش کے اہم اوصاف یہ گنوائے ہیں

A feeling of being isolated and helpless toward a world potentially hostil

ایرخ فروم نے بیسویں صدی کے انسان کے بارے میں لکھا ہے :

In the nineteenth century the problem was that God is dead. In th twentieth century the problem is that man is dead.

انسان کو نئے سرے سے انسانی اوصاف سے ہم کنار کرنے کے لئے ایرخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فروم نے اس بات کو لازم تصور کیا ہے کہ سوسائٹی کو نئی بنیادوں پر استوار کیا جائے ۔ مطلوبہ سوسائٹی کا اس نے یہ نقشہ پیش کیا ہے اور انسان خود کو اپنی ذھنی انتشار کے نتائج سے صرف اسی صورت میں محفوظ رکھ سکتا ہے کہ وہ ایسی سوسائٹی وجود میں لائے جو انسانی ضرورتوں کو پورا کرتی ہو وہ ضرورتیں جن کی جڑیں اس کی بنیادی صورت حال میں موجود ہیں، وہ سوسائٹی جس میں انسان کا انسان سے رشتہ اخوت پر استوار ہے ، جس سے وہ زمین (Soil) اور خون کے بندھنوں کی وجہ سے وابستہ نہیں بلکہ وہ اخوت و محبت کی بنیان مرصوص سے وابستہ ہے، وہ سوسائٹی جو اس کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع تعمیری لہجے پر دیتی ہے نہ کہ تخریبی طور پر، جس میں انسان کو اپنی ذات کا احساس اپنی قوتوں کے مالک ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے نہ کہ کسی کا تابع سہمل یا پیرو ہونے کی حیثیت سے، جس میں ایثار اور خودگیری کا ایسا نظام موجود ہوتا ہے کہ انسان کو جھوٹے بتوں کی پوجا اور حقیقت کو مسخ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۸ ۔

ایرخ فروم نے جس مطلوبہ سوسائٹی کا خاکہ پیش کیا ہے، اس کی ھیئت اور روح پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے، تو یہ وہ سوسائٹی ہے جس کا خاکہ حضور ص نے ''خطبۂ حجۃالوداع،، میں پیش کیا ہے ۔ سوسائٹی میں انقلاب کے بغیر انسانی شخصیت کی صحت مند تعمیر و تشکیل ناممکن ہے ۔ اس حقیقت کو اسلام نے امر مسلمہ کے طور پر قبول کیا ہے ۔ لیکن اسلام خارجی انقلاب کے ساتھ داخلی انقلاب کا بھی قائل ہے ۔ اسی لئے وہ خارجی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ قلب و ضمیر کی گہرائیوں کو اصلاحی کوششوں کا ھدف قرار دیتا ہے قانون کے عمل کو اسلام نے سلبی درجہ دیا ہے ایجابی نہیں ۔ قانون کا خرابیوں کے پیدا ھوجانے کے بعد ان کی روک تھام ہے ۔ لیکن صرف [illegible] عذا کی نہیں [illegible] کے لئے کم [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصب العین، اصول و عقائد اور اخلاقی اقدار کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ موجودہ تہذیب کی بنیادوں کو علی حالہ قائم رکھ کر انسانیت کی تعمیر نو اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل کا کام ممکن نہیں ۔ آج جس فساد میں انسانیت مبتلا ہے اس کے لئے سوسائٹی کی تنظیمی ہیئت اور ضوابط میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ ایک نئی ذہنیت اور نئے مزاج کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، وہ مزاج جو انسان کو محض سفلی جذبات اور حیوانی داعیات کا محل خیال نہیں کرتا بلکہ اس حقیقت کا بھی قائل ہے کہ انسان طبعاً خیر پسند ہے اور اس میں ایثار، محبت ، اخوت اور لطف و کرم کا زبردست داعیہ موجود ہے ۔ اہم اور دور رس تبدیلی کے لئے اس حقیقت کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے کہ انسان طبعاً توافق للبقا کی طرف مائل ہے، غلط نظام اور ماحول اس کو تنازع للبقا کی آگ میں جھونک دیتا ہے، اور انسان کو انسان کا قاتل اور دشمن بنا دیتا ہے ۔ عصر حاضر کے سلیم الفطرت مفکرین میں اس ذہنی تبدیلی کا آغاز ہو چکا ہے ۔ فلسفہ میں برگسان اور نفسیات میں ایرخ فروم اورکیرن ہارنی نے اس حقیقت کو کافی حد تک قبول کرلیا ہے ۔ کیرن‌ہارنی نے لکھا ہے ۔

"میرے یقین کا لب لباب یہ ہے کہ تحلیل نفسی کو ان حدود سے جو جبلی (Instinctual) اور تولیدی (Genetic) نفسیات نے متعین کی ہیں ، بلند ہونے کی ضرورت ہے ۔"

جب تک ہم انسان کو مادیت ، اور میکانکی تصور حیات سے بلند ہوکر [illegible]ھنے کی کوشش نہیں کریں گے ہم اس کی شخصیت کو کلی طور پر نہیں [illegible] سکتے ۔ آج جدید نفسیات میں حیرت انگیز تبدیلیاں ہورہی ہیں ۔ کرداریت (Behaviour[illegible]) اور تحلیل نفسی جس کی بنیاد فرائڈ نے رکھی، وہ متروکات [illegible] ہوتی جارہی ہے۔ نو فرائڈی مکتب فکر، گشٹالٹ اسکول اور وجودی [illegible] میں انسان کو ایک صاحب اختیار و ارادہ ہستی تسلیم کیا جانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگا ہے۔ اور یہ وہ نقطہ نظر ہے جسے قرآن نے پیش کیا ہے۔ نقطہ نظر کی یہ تبدیلی اس قرآنی حقیقت کا اہم ثبوت ہے کہ انسان میں ہمیشہ "سواء السبیل" کو تلاش کرنے کی امنگ اور تڑپ رہی ہے، اور بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ اسی راہ کی طرف لوٹ رہا ہے، جسے قرآن نے "سواء السبیل" قرار دیا ہے۔ قرآن نے انسان اور حیوان کے درمیان حد فاصل قائم کرنے کے لئے انسان کے اہم اوصاف کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتلیه فجعلنه سمیعا بصیرا انا هدینه السبیل اما شاکرا و اما کفورا (دھر، ۲ - ۳) "یقینا ہم نے پیدا کیا، انسان کو نطفہ سے جو باہم مل جانے والا ہوتا ہے پھر ہم اسے مختلف حالتوں میں گردش دیتے رہے حتی کہ اسے سننے اور دیکھنے والا بنادیا۔ پھر اسے ہدایت کا راستہ دکھایا، خواہ وہ اسے قبول کرلے یا اس سے انکار کردے،،

انسانی شخصیت کے مابہ الامتیاز پہلوؤں کو واضح کرنے کے لئے یہ کہا ہے وجعل لکم السمع والابصار والا فئدة قلیلا ماتشکرون۔ سمع، بصر اور فؤاد کے الفاظ میں قرآن حکیم نے انسانی شخصیت کا سارا جوہر سمیٹ دیا ہے یعنی یہ کہ انسان میں شعور ذات کی صلاحیت موجود ہے۔ بعض مقامات پر قرآن حکیم نے انسان اور دیگر حیوانات کے مابین امتیاز کو سمجھانے کے لئے نفخت فیه من روحی کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ قانون ارتقا جو انسان سے پیشتر تمام انواع میں محض طبعی زندگی تک محدود تھا، درجۂ انسانیت میں پہنچ کر طبعی زندگی کے علاوہ نفس انسانی کو بھی اپنے حلقۂ اثر و نفوذ میں لے آیا، یعنی جس طرح انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی طبعی زندگی کی حفاظت کے لئے مخالف قوتوں سے مدافعت کی صلاحیت پیدا کرے (جیسے کہ حیوانات کرتے ہیں) اسی طرح اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کی حفاظت اور نشو و نما کے لئے تمام متصادم و متحارب قوتوں کے خلاف اپنے اندر مدافعت کی قوت پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے ۔ مدافعت کی اس راہ کو سمجھانے کے لئے قانون خداوندی نے وحی کا اہتمام کیا ہے۔ یہ وحی انسان کو "حزن" اور "خوف" سے نجات دلا کر نفس مطمئنہ کی خوشگواریوں، لطافتوں اور شیرینیوں سے ہم کنار کرتی ہے ۔ وحی کی رہنمائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت تعاون و توافق سے عبارت ہے نہ کہ کشمکش اور جنگ و جدل سے، اور اس کی بقا اور ارتقا کا انحصار انفرادی اور اجتماعی قوتوں کی آزادی اور نشوونما میں مضمر ہے نہ کہ ان پر پابندیوں اور جکڑبندیوں میں ۔ اسلام ضبط نفس اور تزکیہ نفس کا حامی ہے لیکن نفس کشی اور جوگیانہ رہبانیت کا موید ہرگز نہیں، اس کا تعمیر سیرت اور شخصیت کے ارتقا کا طریق مغربی مادہ پرستانہ انداز اور مشرقی جوگیانہ نظام سے بالکل الگ ہے ۔ وہ تعمیر سیرت کے لئے کارگہہ حیات میں حصہ لینے کا قائل ہے نہ کہ زندگی کے دشوار اور جانکاہ تقاضوں سے بھاگ کر اپنے گرد خود فریبی اور خدا فریبی کا جال بن لینے کا ۔ اس کے نزدیک زمانہ سازی، یا زمانہ گریزی کے بجائے زمانہ ستیزی سے انسانی صلاحیتیں ابھرتی ہیں ۔ اور وہی لوگ شخصیت کے ارتقا کی بلندیوں کو چھوتے ہیں، جو زمانے کے سامنے جھکنے کے بجائے زمانہ کی گردن جھکا دیتے ہیں اور دھارے کے رخ کو موڑ دیتے ہیں ۔

حواشی

۱ ۔ ایڈلر کے تصور ارتقاء پر Ira Progoff نے اپنی تصنیف 'Death and Rebirth of Psychology میں خصوصی بحث کی ہے ۔ ایڈلر نے اپنے تصور کی وضاحت Social Interest A challenge to Mankind میں تفصیل سے کی ہے ۔

۲ ۔ شاہ ولی اللہ ۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۸۱

۳ ۔ Karen Horney - Our Inner Conflicts, Preface p. 19.

۴ ۔ Erich Fromm, Man For himself p. XIII (Fore word)

۵ ۔ Erich Fromm, The Art of Loving, p. 77, 78.

۶ ۔ What life should mean to you, p. 92.

۷ ۔ The same society p. 360.

۸ ۔ The Same society p. 362.

© rasailojaraid.com